نظرات

گذشتہ مہینے (۱۳ مارچ) کو اجڑنے اور بار بار بسنے والی دلی کی ایک اور فخر روزگار شخصیت مولانا حفیظ الرحمٰن واصف کی شکل میں اس دنیا سے اٹھ گئی اور دلی کی بساط علم و دین اور ادب و شعر پر چھایا ہوا اندھیرا کچھ اور گہرا ہو گیا ان کی وفات پر محدود صحافتی اور علمی حلقوں میں اضطراب اور ہلچل کی کمزور سی کیفیت نظر آئی جو مولانا حفیظ الرحمٰن واصف جیسی جلیل القدر شخصیت کے ماتم کیلئے نہ صرف ناکافی بلکہ کہنا چاہیئے کہ ان کی رفعت شان سے حد درجہ کمتر تھی۔ وہ ان ٹمٹماتی ہوئی شمعوں میں سے ایک شمع تھے جو آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد کی دہلی کی تمدنی تبدیلیوں اور لسانی اور سماجی تلاطم کی نوعیت اور کیفیتوں کی عکاس تھی اور وہ خود آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد کے درمیان نہ صرف حد فاصل کی حیثیت رکھتے تھے بلکہ ان کا شمار سماجی انقلاب حال کے مشہور ماتم گساروں اور میر، سودا، غالب، حالی اور داغ جیسے نوحہ خوانوں میں ہوتا تھا۔

وہ اس خانوادۂ علم و شریعت کے چشم و چراغ تھے، جسنے ۱۸۵۷ء میں اجڑنے والی دہلی کو از سر نو سجانے اور بہاروں سے آراستہ کرنے میں حصہ لیا تھا اور ایک پورے تمدن کی تباہی کے بعد اس کے ملبہ سے نئی اور دلآویز عمارت تعمیر کرنے کی ہمت

دکھائی تھی۔

وہ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ کے فرزند دلبند اور انکی سیرت اور خصلت کے بے شمار پہلوؤں میں انکے حقیقی وارث اور جانشین تھے۔ انہوں نے آنکھ کھول کر اپنے یگانہ روزگار والد کے علاوہ جن لوگوں کی آنکھیں دیکھی تھیں اور جن کی صحبتوں سے فیض اٹھایا تھا وہ سب وہ لوگ تھے کہ اب ان کا ثانی دہلی کی سرزمین پر شاید ہی چشم فلک کو کبھی دیکھنا نصیب ہو۔

آج کی دہلی میں ان کا وجود بہاروں کی یادگار یا غالب کے الفاظ میں داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی ایک شمع کی طرح دکھائی دیتا تھا، کیونکہ ان کے دیکھتے ہی وہ دنیا یکسر تبدیل ہو گئی تھی جسے انہوں نے آنکھ کھول کر دیکھا تھا، اور جس کی امتیازی خصوصیات کو اپنی شخصیت میں جذب کر کے، اس کا منفرد سانچہ تیار کیا تھا۔ وہ خواجہ حسن نظامی، خواجہ عبدالمجید، سائل دہلوی، بے خود دہلوی، راشد الخیری، دتاتریہ کیفی، ملا واحدی، آصف علی دبیر سٹر، خواجہ محمد شفیع، آغا شاعر، حیدر دہلوی، خواجہ عزیز حسن بقائی، شاہد احمد دہلوی، مولانا احمد سعید دہلی اور مولانا سمیع اللہ کی دہلی کے ترجمان تھے اور اس کہکشاں کا ایک ستارہ تھے، جس میں انکے فخر روزگار والد حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ ایک آفتاب عالم تاب کی حیثیت رکھتے تھے۔

مفتی کفایت اللہ رح کا شمار آزادی سے پہلے کے اسلامیات ہند کی مقتدر اور اہم ترین شخصیتوں میں ہوتا تھا۔ مفتی کفایت اللہ رح سیاسی فراست، مردم شناسی، اور دینی تبحر کے اعتبار سے اپنے معاصرین میں اتنے ممتاز تھے کہ ان کے پورے عہد میں صرف مفتی صاحب کا لفظ، انکی شناخت کے لیے کفایت کرتا تھا اور ہر کس و ناکس سمجھ سکتا تھا کہ اس سے مفتی کفایت اللہ کے سوا کوئی دوسری ذات مراد نہیں۔

یہ وہ شرف و امتیاز ہے جو انکے بعد صرف مفتی صاحب کے حوالے سے سارے ہندوستان میں پہچانے گئے۔

مولانا حفیظ الرحمٰن واصف کی دلچسپیوں اور رجحانات میں بڑی رنگا رنگی پائی جاتی تھی، دینی علم انہیں انکے عظیم الشان والد سے ورثہ میں ملا تھا، اور ان کی تعلیم و تربیت بھی خالص دینی ماحول بلکہ کہنا چاہئے کہ مفتی اعظم کے گھرانے میں ہوئی، انہوں نے آنکھ کھول کر تصنیف و تالیف، شعر و ادب، اور مجلس آرائیوں کی وہ فضا دیکھی جس کی بدولت اس زمانہ کی دہلی، ہندوستان کا دھڑکتا ہوا دل بن گئی تھی، ان مجلسوں میں ایک طرف حکیم اجمل خاں کی شرافت نفسی کی پھوار سے شریکِ بزم لوگوں کا مشام جاں معطر ہوتا، دوسری طرف مولانا محمد علی کی دغایت کی گرج اور شیر جیسی دہاڑ سے سیاستدانوں کے محلوں کے کنگرے لرزتے نظر آتے، ایک طرف سائل اور بیخود کی شاعری کے زمزموں سے دہلی کی ادبی فضائیں گونجتیں، دوسری طرف خواجہ حسن نظامی اور راشد الخیری کا سحر نگار قلم ادب کے کینوس پر فطرت اور غم کی مصوری اور عکاسی کرتا دکھائی دیتا۔ مولانا حفیظ الرحمٰن واصف کی شخصیت نے ان سارے اجزاء بلکہ انکے بہتر عناصر کو اپنے اندر جذب کیا۔ وہ شاعری میں سائل دہلوی کے باقاعدہ شاگرد ہوئے، اور مولانا احمد سعید دہلی اور خواجہ حسن نظامی کی صحبتوں میں انہوں نے میر تقی میر کے بقول "جیلوں کے کوچوں کی ٹکسالی زبان اردو" کا شعور اور ملکہ حاصل کیا، اور نظم و نثر میں اتنی مہارت بہم پہنچائی کہ ان کا شمار ایک طرف تو داغ اسکول کے نامور ترجمانوں اور صاحب دیوان (دیوان کا نام زر گل) شاعروں میں ہونے لگا، اور دوسری طرف وہ اردو بول چال اور نثری ادب کے ماہر اور مستند اہلِ قلم تسلیم کیے گئے۔ جگر مراد آبادی کے بعد مولانا حفیظ الرحمٰن واصف ہی اردو کے ایسے شاعر تھے جو خوش نویسی

میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے اور جن کے بارے میں کہا جاسکتا تھا کہ اگر وہ شاعر نہ ہوتے تو بہت بڑے خطاط اور خوش نویس ہوتے، انہوں نے خوش نویسی نہ صرف اپنے والد مولانا مفتی کفایت اللہ رح سے ورثہ میں پائی تھی، بلکہ مشق اور محنت کے ذریعہ اس میں استادانہ مہارت بھی حاصل کی تھی۔

مولانا حفیظ الرحمٰن واصف، دہلی کے قدیم وجدید دور کے ایک نمائندہ ادیب، شاعر اور عالم تھے، انہوں نے علمی دنیا پر سب سے بڑا احسان یہ کیا کہ مفتی کفایت اللہ رح کے لاکھوں فتوؤں کا انتخاب "کفایت المفتی" کے نام سے نو ضخیم جلدوں میں شائع کر کے، دین وفقہ کے ایک بڑے سرمایہ کو ہمیشہ کیلئے محفوظ کر دیا "کفایت المفتی" کی ۹ جلدیں، یقیناً انکی تالیفی صلاحیت، محنت اور سر مغزی کا ایسا ثبوت ہیں جو آنے والے لوگوں کیلئے ایک ولولہ انگیز مثال بنی رہینگی۔ بلا شبہ یہ ایک آدمی کا کام معلوم نہیں ہوتا اور اس اعتبار سے حیرت انگیز ہے کہ انہوں نے اسے خاموشی کے ساتھ انجام دیدیا اس ایک کارنامے کے علاوہ سائل دہلی کی ایک سوانح عمری جسکا شمار ہم انکی ابتدائی تصانیف میں کرتے ہیں، اور خود ان کی شاعری کا مجموعہ "زر گل" بھی ان کے فن اور قلم کی یاد دلاتے رہینگے۔ وہ عربی کے باقاعدہ عالم، دینی علوم کے ماہر، اور فارسی اور اردو زبانوں کے فاضل اور نکتہ شناس تھے اور ۱۹۵۲ء میں مفتی کفایت اللہ رح کی وفات کے بعد مدرسہ امینیہ دہلی میں، ان کی مسند پر بیٹھ کر ان کے جانشین کی حیثیت سے تفسیر اور دینی علوم کی مدرس اور معلمی کے فرائض بھی انجام دیتے رہے تھے۔ فارسی زبان پر پورے عبور اور اردو زبان کے پرانے محاورات اور مصادر پر انکی گہری نظر تھی، اس لیے انہیں اس بے راہ روی سے زبردست تکلیف پہونچتی تھی، جسے اردو کے موجودہ شاعر اور ادیب اپنی ناواقفیت کے باعث نظم ونثر میں روا رکھتے ہیں۔ انہوں نے اردو زبان کی صحت اور درستگی پر زور دینے کیلئے

جہاں اردو مصدر نامہ جیسی اہم کتاب تصنیف کی وہاں سینکڑوں مضامین اردو زبان کی صحت اور لغت کے موضوع پر لکھے جن میں سے بیشتر مضامین برہان میں شائع ہوئے۔

وہ ماہنامہ برہان کے مستقل سرپرستوں اور رفیقان قلم میں سے ایک تھے مفتی عتیق الرحمان عثمانی رح کے نام کے شیدا اور برہان کے ان قدردانوں میں سے تھے جن کے اخلاص، تعلق اور محبت کی گرمی سے محرومی کا احساس ہمیشہ باقی رہے گا جس کی تلافی کی اب کوئی صورت موجود نہیں۔ جب بھی وہ کوئی اہم مضمون یا تحقیقی مقالہ لکھتے برہان کو ہی اس کی اشاعت کا ذریعہ بناتے۔ اردو زبان کے مصادر اور لغوی تحقیق اور لسانی نزاکتوں پر ان کے مضامین اور مقالوں کا ایک پورا سلسلہ برہان کی فائلوں میں محفوظ ہے۔ جو ان کی اردو زبان پر قدرت اور عربی و فارسی زبانوں پر ان کے کامل عبور کی دلیل ہے۔

ان کی وفات سے نہ صرف دہلی کی پرانی تہذیب اور اردو کے مخصوص کلچر کی نمائندہ ایک عظیم شخصیت اس دنیا سے اٹھ گئی بلکہ برہان کو ایک ایسے مستقل قدرداں اور عظیم اہل قلم سے محرومی کا صدمہ بھی برداشت کرنا پڑا جس کی تحریروں کو پورے ملک میں قدر اور عزت کی نگاہوں سے دیکھا جاسکتا تھا ان کی وفات بلاشبہ خاندان عثمانی اور برہان کے ادارے کیلئے ایک ذاتی صدمہ کی حیثیت رکھتی ہے اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ آمین!